OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

"تفہیم القرآن"میں تحقیقِ روایات: ایک تحقیقی مطالعہ
A Study of the Inquiry of Traditions in "*Tafheem al-Quran*"

Wajid Irshad
Doctoral Candidate Islamic Studies, GIFT University, Gujranwala
Dr. Muhammad Sadullah
Assistant Professor of Islamic Studies GIFT University Gujranwala

Abstract

This article deals with the inquiry of traditions by *Mawlānā Mawdūdī* in his *Tafsīr Tafheem al-Quran*. It finds that *Mawlānā Mawdūdī* evaluates the hadith by presenting it to the Quran and criticizes the traditions that appear against the Quran, even if they are narrated in *Bukhārī* and *Muslim*. At some places, he seems to accept weak traditions whose text does not contradict the Quran instead of the traditions that are considered to be more correct but contradictory to the Quran. Criticizing the *Isrāīlī* traditions in some places, he calls them an addition to Islam. In some places, mentioning the differences between the sayings of the Imams he proves that such and such a ruling is speculative and *Ijtihādī* not *Manṣūṣ*.

Key Words: *Tafheem al-Quran,* Traditions, Inquiries

تمہید

مولانا مودودیؒ نے جہاں صحافت، تفسیر اور دیگر اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، وہاں انھوں نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں روایات پر تنقیح و تنقید بھی کی ہے، بعض مقام پر روایات کو پرکھنے کا الگ سے انداز بھی متعارف کروایا ہے۔ وہ تفسیر میں بعض مقامات پر تحقیقِ روایات کے لے معیار درایت کو بناتے ہیں، حدیث کو قرآن پر پیش کر کے پرکھتے ہیں اور قرآن کے خلاف نظر آنے والی روایات پر خوب تنقید کرتے ہیں خواہ وہ بخاری و مسلم میں ہی کیوں نہ آئی ہوں۔ اس مقالے راقم کے پیش نظر تفہیم القرآن سے استشہاد کر کے یہ واضح کرنا ہے کہ مولانا مودودیؒ نے تنقیح روایات کے حوالہ سے کس انداز میں کام کیا اور یہ کام

CC BY

کس قدر اہمیت کا حامل ہے؟ اس سلسلے میں مختلف عنوانات کے تحت اہم موضوعات سے متعلق روایات پر بحث شامل کی گئی ہے۔

بظاہر قرآن سے متصادم روایات کی تحقیق

"فنظر نظرة في النجوم،فقال اني سقيم"[1] (پس اس نے دیکھا ستاروں میں دیکھنا، پس اس نے کہا بے شک میں بیمار ہوں)۔ مذکورہ آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ "ابن ابی حاتم نے مشہور تابعی مفسر قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اہل عرب نَظَرَ فِی النُّجُومِ (اس نے تاروں پر نگاہ ڈالی) کے الفاظ محاصرے کے طور پر اس معنی میں بولا کرتے ہیں کہ اس شخص نے غور کیا، یا وہ شخص سوچنے لگا، علامہ ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور ویسے بھی یہ بات اکثر مشاہدے میں آتی ہے کہ جب کسی شخص کے سامنے کوئی غور طلب معاملہ آتا ہے تو وہ آسمان کی طرف، یا اوپر کی جانب کچھ دیر دیکھتا رہتا ہے، پھر سوچ کر جواب دیتا ہے"[2] یہ ان تین باتوں میں سے ایک ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں یہ تین جھوٹ بولے تھے۔ حالانکہ اس بات کو جھوٹ، یا خلاف واقعہ کہنے کے لیے پہلے کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی اور انہوں نے محض بہانے کے طور پر یہ بات بنا دی تھی۔ اگر اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو خواہ مخواہ اسے جھوٹ آخر کس بنا پر قرار دے دیا جائے۔[3]

قرآن سے موافق روایات کی تحقیق

بعض مقام پر مولانا مودودیؒ تفسیر میں تنقیح روایات کے حوالہ سے "ضعیف روایات" جن کا متن قرآن سے متصادم نہ ہو کو قبول کرتے ہیں، گرچہ اس کے مقابلے میں صحیح روایات جو بظاہر قرآن کے متن سے متصادم محسوس ہوتی ہوں، ایسی روایات کو ترک کر دیتے ہیں۔" يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ، يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰي وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰي وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ"[4] (لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو! بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے، جس دن تم اسے دیکھ لوگے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے اور تو دیکھے گا کہ لوگ مدہوش، دکھائی دیں گیں، حالانکہ درحقیقت وہ متوالے نہ ہونگے لیکن اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے)۔ ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ یہ زلزلہ قیامت کی ابتدائی کیفیات میں سے ہے اور اغلب یہ ہے کہ اس کا وقت وہ ہوگا جب کہ زمین یکایک الٹی پھرنی شروع ہو جائے گی اور سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا، یہ بات قدیم مفسرین میں سے عَلقمہ اور شعبی نے بیان کی ہے کہ: یکون ذٰلک عند طلوع الشمس من مغربھا۔ اور یہی بات اس طویل حدیث سے معلوم ہوتی ہے جو ابن جریر اور طبرانی اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے نقل کی ہے، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ نفخ صور کے تین مواقع ہیں، ایک نفخ فزع، دوسرا نفخ صَعق اور تیسرا نفخ قیام الرب العالمین "یعنی پہلا نفخ عام سراسیمگی پیدا کرے گا، دوسرے نفخ پر سب مر کر گر جائیں گے اور تیسرے نفخ پر سب لوگ زندہ ہو کر خدا کے حضور پیش ہو جائیں گے، پھر پہلے نفخ کی تفصیلی کیفیت بیان کرتے ہوئے آپ بتاتے ہیں کہ اس وقت زمین کی حالت اس کشتی کی سی ہوگی جو موجوں کے تھپیڑے کھا کر ڈگمگا رہی ہو، یا اس معلق قندیل کی سی جس کو ہوا کے جھونکے بری طرح جھنجھوڑ رہے ہوں، اس وقت زمین کی آبادی پر جو کچھ گزرے گی اس کا نقشہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کھینچا گیا ہے۔ مثلاً: "فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَحُمِلَتِ

الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُ كَّتَا دَكَّةً وَّ احِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّ قَعَتِ الْوَ ا قِعَةُ "[5](پس جب صور میں ایک پھونک ماردی جائے گی اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک ہی چوٹ میں توڑ دیے جائیں گے تو وہ واقعہ عظیم پیش آجائے گا)"اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا O وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَا لَهَا O وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا"[6](جب کہ زمین پوری کی پوری ہلا ماری جائے گی، اور وہ اپنے پیٹ کے بوجھ نکال پھینکے گی، اور انسان کہے گا یہ اس کو کیا ہو رہا ہے)" يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّ اجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّ ادِفَة O قُلُوْ بٌ يُّوْمَئِذٍ وَّ ا جِفَةٌ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ"[7](جس روز ہلا مارے گا زلزلے کا ایک جھٹکا اور اس کے بعد دوسرا جھٹکا، اس دن دل کانپ رہے ہوں گے اور نگاہیں خوف زدہ ہوں گی)"اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَا نَتْ هَبَآءً مَّنْبَثًّا"[8](جس روز زمین جھنجھوڑ ڈالی کائے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑنے لگیں گے)"فَكَيْفَ تَتَّقُوْ نَ اِنْ كَفَرْ تُمْ يَوْ مًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۦ السَّمَآ ءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖO "(اگر تم نے پیغمبر کی بات نہ مانی تو کیسے بچو گے اس دن کی آفت سے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس کی شدت سے آسمان پھٹا پڑ تا ہو گا)۔ اگرچہ بعض مفسرین نے اس زلزلے کا وقت وہ بتایا ہے جب کہ مردے زندہ ہو کر اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے اور اس کی تائید میں متعدد احادیث بھی نقل کی ہیں، لیکن قرآن کا صریح بیان ان روایات کو قبول کرنے میں مانع ہے قرآن اس کا وقت وہ بتا رہا ہے جب کی مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتے پلاتے چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوں گی، اور پیٹ والیوں کے پیٹ گر جائیں گے، اب یہ ظاہر ہے کہ آخرت کی زندگی میں نہ کوئی عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو گی اور نہ کسی حاملہ کے وضع حمل یا اسقاط کا کوئی موقع ہو گا، کیونکہ قرآن کی واضح تصریحات کی رو سے وہاں سب رشتے منقطع ہو چکے ہوں گے اور ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت سے خدا کے سامنے حساب دینے کے لیے کھڑا ہو گا۔ لہٰذا قابل ترجیح وہی روایات ہے جو ہم نے پہلے نقل کی ہے۔ اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت اس کے ضعف کو دور کر دیتی ہے۔ اور یہ دوسری روایات گو سنداً قوی تر ہیں، لیکن قرآن کے ظاہر بیان سے عدم مطابقت ان کو ضعیف کر دیتی ہے۔[9]

تاریخی شواہد کی روشنی میں تحقیق روایات

بعض مقام پر مولانا مودودیؒ مختلف مفسرین کے اقوال نقل کر کے، ان پر عقلی و منطقی اعتراض وارد کر کے، عقلی و نقلی دلائل سے تردید کرتے ہوئے صحیح و بامعنی مسکت تفسیر پیش کرتے ہیں، تاریخی شواہد بھی پیش کرتے ہیں، ایسے ہی محدثانہ استدلال کی بھی خوب خبر لیتے ہیں۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ، لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ، وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ"[10](ہم نے آپ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملا دیا، پس شیطان کی ملاوٹ کو اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے پھر اپنی باتیں پکی کر دیتا ہے (ا) اللہ تعالیٰ دانا اور باحکمت ہے، یہ اس لئے کہ شیطانی ملاوٹ کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں (ا) بیشک ظالم لوگ گہری مخالفت میں ہیں، اور اس لئے بھی کہ جنہیں علم عطا فرمایا گیا ہے وہ یقین کرلیں کہ یہ آپ کے رب

ہی کی طرف سے سراسر حق ہی ہے پھر اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں (ا) یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو راہ راست پر رہبری کرنے والا ہے)

مذکورہ آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ یعنی شیطان کی ان فتنہ پردازیوں کو اللہ نے لوگوں کی آزمائش ، اور کھرے کو کھوٹے سے جدا کرنے کا ایک ذریعہ بنا دیا ہے۔ بگڑی ہوئی ذہنیت کے لوگ انہی چیزوں سے غلط نتیجے اخذ کرتے ہیں اور یہ ان کے لیے گمراہی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ صاف ذہن کے لوگوں کو یہی باتیں نبی اور کتاب اللہ کے برحق ہونے کا یقین دلاتی ہیں اور وہ محسوس کر لیتے ہیں کہ یہ سب شیطان کی شرارتیں ہیں اور یہ چیز انہیں مطمئن کر دیتی ہے کہ یہ دعوت یقیناً خیر اور راستی کی دعوت ہے، ورنہ شیطان اس پر اس قدر نہ تلملاتا۔ قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش قرآن میں کوئی ایسی بات نازل ہو جائے، جس سے اسلام کے خلاف کفار قریش کی نفرت دور ہو اور وہ کچھ قریب آ جائیں، یا کم از کم ان کے دین کے خلاف ایسی سخت تنقید نہ ہو جو انہیں بھڑکا دینے والی ہو، یہ تمنا آپ کے دل ہی میں تھی کہ ایک روز قریش کی ایک بڑی مجلس میں بیٹھے ہوئے آپ پر سورہ نجم نازل ہوئی اور آپ نے اسے پڑھنا شروع کیا، جب آپ ﷺ اس مقام پر پہنچے کہ "اَفَرَ اَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی ہ وَمَنَا ةَ الثَّالِثَۃَ۔الْاُخْرٰی"[11] (کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا، اور منات تیسرے پچھلے کو) اس مقام پر پہنچے تو یکایک آپکی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے "تلک الغرانقة العلی ہ وان شفاعتحن لترجیٰ" (یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں، ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے)۔ اس کے بعد آگے پھر آپ سورہ نجم کی آیات پڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ جب اختتام سورہ پر آپ نے سجدہ کیا تو مشرک اور مسلمان سب سجدے میں گر گئے۔ کفار قریش نے کہا کہ اب ہمارا محمدؐ سے کیا اختلاف باقی رہ گیا۔ ہم بھی تو یہی کہتے تھے کہ خالق و رازق اللہ ہی ہے، البتہ ہمارے یہ معبود اس کے حضور میں ہمارے شفیع ہیں، شام کو جبریل آئے اور انہوں نے کہا یہ آپ نے کیا کیا؟ یہ دونوں فقرے تو میں نہیں لایا تھا، اس پر آپ سخت مغموم ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ " وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَہٗ گ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْکَ خَلِیْلًا، وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْہِمْ شَیْـًٔا قَلِیْلًا، اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا"[12] (یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بہکانا چاہتے کہ آپ اس کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ لیں، تب تو آپ کو یہ لوگ اپنا ولی دوست بنا لیتے، اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے، پھر تو ہم بھی آپ کو دوہرا عذاب دنیا کا کرتے اور دوہرا ہی موت کا (ا) پھر آپ تو اپنے لئے ہمارے مقابلے میں کسے کو مددگار نہ پاتے) یہ چیز برابر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج و غم میں مبتلا کیے رہی یہاں تک کہ سورہ حج کی یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں آنحضرتؐ کو تسلی دی گئی کہ تم سے پہلے بھی انبیاء کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے۔ ادھر یہ واقعہ کہ قرآن سن کر آنحضرت کے ساتھ قریش کے لوگوں نے بھی سجدہ کیا، مہاجرین حبشہ تک اس رنگ میں پہنچا کہ آنحضرتؐ اور کفار مکہ کے درمیان صلح ہو گئی ہے، چنانچہ بہت سے مہاجرین مکہ واپس آ گئے، مگر یہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ صلح کی خبر غلط تھی، اسلام اور کفر کی دشمنی جوں کی توں قائم ہے۔[13] یہ قصہ ابن جریر اور بہت سے مفسرین نے اپنی تفسیروں میں، ابن سعد نے طبقات میں، الواحدی نے اسباب النزول میں، موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں، ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن ابی حاتم، ابن المنذر، بزّار، ابن مردویہ اور طبرانی نے اپنے احادیث کے مجموعوں میں نقل کیا ہے۔ جن سندوں سے یہ نقل ہوا ہے وہ محمد بن قیس، محمد بن کعب قُرظی، عُروہ بن زبیر، ابو صالح، ابو لعالیہ، سعید بن

جبیر، ضحاک، ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث، قتادہ، مجاہد، سُدّی، ابن شہاب زُہری، اور ابن عباس پر ختم ہوتی ہیں (ابن عباس کے سوا ان میں سے کوئی صحابی نہیں ہے)۔ یہ قصے کی تفصیلات میں چھوٹے چھوٹے اختلافات کو چھوڑ کر دو بہت بڑے اختلافات ہیں۔ ایک یہ کہ بتوں کی تعریف میں جو کلمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے گئے ہیں وہ قریب قریب ہر روایت میں دوسری روایت سے مختلف ہیں، ہم نے ان کا استقصاء کرنے کی کوشش کی تو 15 عبارتیں الگ الگ الفاظ میں پائیں۔ دوسرا بڑا اختلاف یہ ہے کہ کسی روایت کی رو سے یہ الفاظ دوران وحی میں شیطان نے آپ پر القا کر دیے اور سمجھے کہ یہ بھی جبریل لائے ہیں، کسی روایت میں ہے کہ یہ الفاظ اپنی اس خواہش کے زیر اثر سہواً آپ کی زبان سے نکل گئے، کسی میں ہے کہ اس وقت آپ کو اونگھ آگئی تھی اور اس حالت میں یہ الفاظ نکلے، کسی کا بیان ہے کہ آپ نے یہ قصداً کہے مگر استفہام انکاری کے طور پر کہے، کسی کا قول ہے کہ شیطان نے آپ کی آواز ملا کر یہ الفاظ کہہ دیے اور سمجھا یہ گیا کہ آپ نے کہے ہیں، اور کسی کے نزدیک کہنے والا مشرکین میں سے کوئی شخص تھا۔[14]

کتب ساویہ کی روشنی میں تحقیقِ روایات

بعض مقام پر مولانا مودودیؒ روایات کی تحقیق کرتے ہوئے، دیگر کتب سماویہ کی روشنی میں یہ واضح کرتے ہیں کہ یہ روایات بنی اسرائیل سے دین اسلام میں داخل کر دی گئی ہیں جبکہ ان کی حقیقت اسلام میں کچھ نہیں ہے۔ "يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ"[15] (اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے) مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ یہ وہ تنبیہ ہے جو اس موقع پر اللہ تعالی نے توبہ قبول کرنے اور بلندی درجات کی بشارت دینے کے ساتھ حضرت داؤد کو فرمائی، اس سے یہ بات خود کو ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو فعل ان سے صادر ہوا تھا اس کے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا، اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرماں روا کو زیب نہ دیتا تھا، یہاں پہنچ کر تین سوالات ہمارے سامنے آتے ہیں۔[16] اول یہ کہ وہ فعل کیا تھا، دوسرے یہ کہ اللہ تعالی نے اس کو صاف صاف بیان کرنے کے بجائے اس طرح پردے پردے ہی میں اس کی طرف کیوں اشارہ کیا تیسرے یہ کہ اس سیاق و سباق میں اس کا ذکر کس مناسبت سے کیا گیا ہے؟ جن لوگوں نے بائبل (عیسائیوں اور یہودیوں کی کتاب مقدس کا مطالعہ کیا ہے) ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے، کہ اس کتاب میں حضرت داؤد پر اوریاہ حتی (Uriah the Hittite) کی بیوی سے زنا کرنے اور پھر اوریاہ کو ایک جنگ میں قصداً ہلاک کروا کر اس کی بیوی سے نکاح کر لینے کا صاف صاف الزام لگایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہی عورت جس نے ایک شخص کی بیوی ہوتے ہوئے اپنے آپ کو حضرت داؤد کے حوالہ کیا تھا حضرت سلیمان علیہ سلام کی ماں تھی، یہ پورا قصہ پڑھنے کے لئے ملاحظہ ہو۔[17] نزول قرآن سے صدیوں پہلے یہ بائبل میں درج ہو چکا تھا، دنیا بھر کے یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جو بھی اپنی اس کتاب مقدس کی تلاوت کرتا یا اسے سنتا تھا وہ اس قصے نہ صرف واقف تھا بلکہ اس پر ایمان بھی لاتا تھا، انہی لوگوں کے ذریعہ سے یہ دنیا میں مشہور ہوا اور آج تک حال یہ ہے کہ مغربی ممالک میں بنی اسرائیل اور عبرانی مذہب کی تاریخ پر کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی جاتی جس

میں حضرت داؤد کے خلاف اس الزام کو دہرایا نہ جاتا ہو، اس مشہور قصہ میں یہ بات بھی درج ہے کہ "خداوند ناتن کو داؤد کے پاس بھیجا، اس نے اس کے پاس آکر اس سے کہا: کسی شہر میں دو شخص تھے، ایک امیر، دوسرا غریب، اس امیر کے پاس بہت سے ریوڑ اور گلے تھے، پر اس غریب کے پاس بھیڑ کی ایک پٹھیا کے سوا کچھ نہ تھا جسے اس نے خرید کر پالا تھا، اور وہ اس کے اور اس کے بال بچوں کے ساتھ بڑھی تھی، وہ اس کے نوالے میں سے کھاتی اور اس کے پیالے سے پیتی اور اس کی گود میں سوتی تھی اور اس کے لیے بطور بیٹی کے تھی، اور اس امیر کے ہاں کوئی مسافر آیا، سو اس نے اس مسافر کے لیے جو اس کے ہاں آیا تھا، پکانے کو اپنے ریوڑ اور گلے میں سے کچھ نہ لیا بلکہ اس غریب کی بھیڑ لے لی اور اس شخص کے لیے، جو اس کے ہاں آیا تھا، پکائی، جب داؤد کا غضب اس شخص پر بشدت بھڑکا اور اس نے ناتن سے کہا کہ خداوند کی حیات کی قسم! کہ وہ شخص جس نے یہ کام کیا، واجب القتل ہے، سو اس شخص کو اس بھیڑ کا چوگنا کرنا پڑے گا، کیونکہ اس نے ایسا کام کیا اور اسے ترس نہ آیا، تب ناتن نے داؤد سے کہا کہ وہ شخص تو ہی ہے، تو نے حتی اور یاہ کو تلوار سے مارا اور اس کی بیوی لے لی تا کہ وہ تیری بیوی بنے اور اس کو بنی عمون کی تلوار سے قتل کروایا"[18] اس قصے اور اس کی اس شہرت کی موجودگی میں یہ ضرورت باقی نہ تھی کہ قرآن مجید میں اس کے متعلق کوئی تفصیلی بیان دیا جاتا، اللہ تعالی کا یہ قاعدہ ہے بھی نہیں کہ وہ اپنی کتاب پاک میں ایسی باتوں کو کھول کر بیان کرے، اس لیے یہاں پردے پردے ہی میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا اور اہل کتاب نے اسے بنا کیا دیا ہے، اصل واقعہ جو قرآن مجید کے مذکورہ بالا بیان سے صاف سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اور یاہ (یا جو کچھ بھی اس شخص کا نام رہا ہو) سے محض یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے، اور چونکہ یہ خواہش ایک عام آدمی کی طرف سے نہیں بلکہ ایک جلیل القدر فرماں روا اور ایک زبردست دینی عظمت رکھنے والی شخصیت کی طرف سے رعایا کے ایک فرد کے سامنے ظاہر کی گئی تھی، اس لیے وہ شخص کسی ظاہری جبر کے بغیر بھی اپنے آپ کو اسے قبول کرنے پر مجبور پا رہا تھا، اس موقع پر قبل اس کے کہ وہ حضرت داؤد کی فرمائش کی تعمیل کرتا، قوم کے دو نیک آدمی اچانک حضرت داؤد کے پاس پہنچ گئے اور انھوں نے ایک فرضی مقدمے کی صورت میں یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کر دیا، حضرت داؤد ابتداء میں تو یہ سمجھے کہ یہ واقعی کوئی مقدمہ ہے، چنانچہ انھوں نے اسے سن کر اپنا فیصلہ سنا دیا، لیکن زبان سے فیصلے کے الفاظ نکلتے ہی ان کے ضمیر نے تنبیہ کی کہ تمثیل پوری طرح ان کے اور اس شخص کے معاملے پر چسپاں ہوتی ہے، اور جس فعل کو وہ ظلم قرار دے رہے ہیں اس کا صدور خود ان سے اس شخص کے معاملے میں ہو رہا ہے، یہ احساس دل میں پیدا ہوتے ہی وہ سجدے میں گر گئے اور توبہ کی اور اپنے اس فعل سے رجوع فرمالیا۔[19]

قیاس واجتہاد کی بنا پر تحقیق روایات

بعض مقام پر مولانا مودودیؒ متعدد ائمہ کے اقوال کا اختلاف و احادیث وارد کر کے، ان پر عقلی اعتراض داخل کرتے ہوئے، تاریخی اعتبار سے ثابت کرتے ہیں کہ اس کام کا حکم قیاسی و اجتہادی ہے نہ کہ یہ کوئی منصوص حکم ہے۔" وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ"[20] (اور تمہارے بچے (بھی) جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس طرح ان کے اگلے لوگ اجازت مانگتے ہیں انھیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہیے (ا) اللہ تعالیٰ تم سے اسی طرح اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی علم و حکمت والا ہے) ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ یعنی بالغ ہو جائیں۔ جیسا کہ اوپر حاشیہ نمبر 87 میں بیان کیا جا چکا ہے لڑکوں

کے معاملے میں احتلام اور لڑکیوں کے معاملے میں ایام ماہواری کا آغاز علامت بلوغ ہے۔ لیکن جو لڑکے اور لڑکیاں کسی وجہ سے دیر تک ان جسمانی تغیرات سے خالی رہ جائی ان کے معاملہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعی، امام باویوسف، امام محمد، اور امام احمد کے نزدیک اس صورت میں 15 برس کے لڑکے اور لڑکی کو بالغ سمجھا جائے گا، اور امام ابو حنیفہ کا بھی ایک قول اس کی تائید میں ہے۔ لیکن امام اعظم کا مشہور قول یہ ہے کہ اس صورت میں 17 برس کی لڑکی اور 18 برس کے لڑکے کو بالغ قرار دیا جائے گا۔ یہ دونوں قول کسی نص پر نہیں بلیہ فقیہانہ اجتہاد پر مبنی ہیں، لہٰذا ضروری نہیں ہے کہ تمام دنیا میں ہمیشہ 15 یا 18 برس کی عمر ہی کو غیر محتلم لڑکوں اور غیر حائضہ لڑکیوں کے معاملے میں حد بلوغ مانا جائے۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں، اور مختلف زمانوں میں جسمانی نشو نما کے حالات مختلف ہوا کرتے ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ عموماً کسی ملک میں جن عمروں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو احتلام اور ایام ماہواری ہونے شروع ہوتے ہوں ان کا اوسط فرق نکال لیا جائے، اور پھر جن لڑکوں اور لڑکیوں میں کسی غیر معمولی وجہ سے یہ علامات اپنے مُعتاد وقت پر نہ ظاہر ہوں ان کے لیے زیادہ سے زیادہ معتاد عمر پر اس اوسط کا اضافہ کر کے اسے بلوغ کی عمر قرار دے دیا جائے۔ مثلاً کسی ملک میں بالعموم کم سے کم 12 اور زیادہ سے زیادہ 15 برس کے لڑکے کو احتلام ہوا کرتا ہو، تو اوسط فرق ڈیڑھ سال ہو گا، اور غیر معمولی قسم کے لڑکوں کے یے ہم ساڑھے سولہ برس کی عمر کو سن بلوغ قرار دے سکیں گے۔ اسی قاعدے پر مختلف ممالک کے اہل قانون اپنے ہاں کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ایک حد مقرر کر سکتے ہیں۔[21] 15 سال کی حد کے حق میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے، اور وہ ابن عمر کی یہ روایت ہے کہ میں 14 سال کا تھا جب غزوۂ خندق کے موقع پر، جبکہ میں 15 سال کا تھا، مجھے دوبارہ پیش کیا گیا اور آپ نے مجھ کو اجازت دے دی (صحاح ستہ و مسند احمد) لیکن یہ روایت دووجوہ سے قابل استدلال نہیں ہے۔، اول یہ کہ غزوہ احد شوال 3 ھ کا واقعہ ہے اور غزوہ خندق بقول محمد بن اسحاق شوال 5 ھ میں اور بقول ابن سعد ذی اسعدہ 5 میں پیش آیا، دونوں واقعات کے درمیان پورے دو سال یا اس سے زیادہ کا فرق ہے، اب اگر غزوہ احد کے زمانے میں ابن عمر 14 سال کے تھے تو کس طرح ممکن ہے کہ غزوہ خندق کے زمانے میں وہ صرف 15 سال کے ہوں؟ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے 12 سال 11 مہینے کی عمر کو 14 سال، اور 15 برس 11 مہینے کی عمر کا 15 سال کہہ دیا ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ لڑائی کے لیے بالغ ہونا اور چیز ہے اور معاشرتی معاملات میں قانوناً بالغ ہونا اور چیز، ان دونوں میں کوئی لازمی تعلق نہیں ہے کہ ایک کو دوسرے کے لیے دلیل بنایا جاسکتے، لہٰذا صحیح یہ ہے کہ غیر محتلم لڑکے کے لیے 15 برس کی عمر مقرر کرنا ایک قیاسی واجتہادی حکم ہے، کوئی منصوص حکم نہیں ہے۔[22]

عدم شہرت واضطراب کی بنا پر تحقیق روایات

بعض مقام پر ایک موضوع کی مناسبت سے مختلف روایات وارد کرتے ہیں، پھر ان روایات کی تحقیق کرتے ہیں، روایات میں اضطراب اور روایت کو عدم شہرت کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں، گرچہ وہ روایات متفقہ طور پر صحیح ہی کیوں نہ ہوں۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ"[23] (انہوں نے کہا کہ اس پر کچھ نشانیاں (معجزات) اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں (ا) میں تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والا ہوں) مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ "یعنی اُمی ہونے کے باوجود تم پر قرآن جیسی کتاب کا نازل ہونا، کیا یہ بجائے خود اتنا بڑا معجزہ نہیں ہے کہ تمھاری رسالت پر یقین لانے کے لیے یہ کافی ہو؟ اس کے بعد بھی کسی اور معجزے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ دوسرے معجزے تو جنھوں نے دیکھے، ان کے لیے

وہ معجزے تھے۔ مگر یہ معجزہ تو ہر وقت تمھارے سامنے ہے۔ تمھیں آئے دن پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ تم ہر وقت اسے دیکھ سکتے ہو " قرآن مجید کے اس بیان واستدلال کے بعد ان لوگوں کی جسارت حیرت انگیز ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواندہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں قرآن صاف الفاظ میں حضور کے ناخواندہ ہونے کو آپ کی نبوت کے حق میں ایک طاقت ور ثبوت کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ جن روایات کا سہارا لے کر یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ حضور لکھے پڑھے تھے، یا بعد میں آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، وہ اول تو پہلی ہی نظر میں رد کر دینے کے لائق ہیں، کیونکہ قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ پھر وہ بجائے خود بھی اتنی کمزور ہیں کہ ان پر کسی استدلال کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے ایک، بخاری کی یہ روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ جب لکھا جا رہا تھا تو کفار مکہ کے نمایندے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا۔ اس پر حضور نے کاتب (یعنی حضرت علی کو حکم دیا کہ اچھا رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ حضرت علی نے لفظ رسول اللہ کاٹنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور نے ان کے ہاتھ سے قلم لے کر وہ الفاظ خود کاٹ دیے اور محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔[24] لیکن یہ روایت براء بن عازب سے بخاری میں چار جگہ اور مسلم میں دو جگہ وارد ہوئی ہے اور ہر جگہ الفاظ مختلف ہیں" فَقَالَ لِعَلِيٍّ: «امْحُهُ»، فَقَالَ عَلِيٌّ: مَا أَنَا بِالَّذِي أَمْحَاهُ، فَمَحَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ "[25] (حضور نے حضرت علی سے فرمایا: یہ الفاظ کاٹ دو۔ انھوں نے عرض کیا: میں تو نہیں کاٹ سکتا۔ آخر کار حضور نے اپنے ہاتھ سے انھیں کاٹ دیا)"ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ امْحُ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ لَا وَاللَّهِ لَا أَمْحُوكَ أَبَدًا فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكِتَابَ فَكَتَبَ هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ "[26] (پھر علی سے کہا: ''رسول اللہ'' کاٹ دو۔ انھوں نے کہا: خدا کی قسم! میں آپ کا نام بھی نہ کاٹوں گا۔ آخر حضور نے وہ تحریر لے کر لکھا: یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبد اللہ نے طے کیا)"فَقَالَ لِعَلِيٍّ امْحَ رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ عَلِيٌّ وَاللَّهِ لَا أَمْحَاهُ أَبَدًا قَالَ فَأَرِنِيهِ قَالَ فَأَرَاهُ إِيَّاهُ فَمَحَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ "[27] (حضور خود نہ لکھ سکتے تھے۔ آپ نے حضرت علی سے کہا: ''رسول اللہ'' کاٹ دو۔ انھوں نے عرض کیا: خدا کی قسم! میں یہ الفاظ ہر گز نہ کاٹوں گا۔ اس پر حضور نے فرمایا: مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ انھوں نے آپ کو جگہ بتائی اور آپ نے اپنے ہاتھ سے وہ الفاظ کاٹ دیے)" قَالَ عَلِيٌّ لَا وَاللَّهِ لَا أَمْحُوكَ أَبَدًا فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكِتَابَ وَلَيْسَ يُحْسِنُ يَكْتُبُ فَكَتَبَ هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ "[28] (پس حضور نے وہ تحریر لے لی، درآنحالیکہ آپ لکھنا نہ جانتے تھے، اور آپ نے لکھا: یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبد اللہ نے طے کیا) انھی براء بن عازب سے مسلم، کتاب الجہاد میں ایک روایت یہ ہے کہ حضرت علی کے انکار کرنے پر حضور نے اپنے ہاتھ سے" لِعَلِيٍّ: «امْحُهُ»، فَقَالَ: مَا أَنَا بِالَّذِي أَمْحَاهُ، فَمَحَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ "[29] (رسول اللہ'' کے الفاظ مٹا دیے) دوسری روایت اس کتاب میں ان سے یہ منقول ہے کہ حضور نے حضرت علی سے فرمایا: مجھے بتاؤ رسول اللہ کا لفظ کہاں لکھا ہے، حضرت علی نے آپ کو جگہ بتائی، اور آپ نے اسے مٹا کر ابن عبد اللہ لکھ دیا ۔ روایات کا یہ اضطراب صاف بتا رہا ہے کہ بیچ کے راویوں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے الفاظ جوں کے توں نقل نہیں کیے ہیں، اس لیے ان میں سے کسی ایک کی نقل پر بھی ایسا مکمل اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ یقینی طور پر یہ کہا جا سکے کہ حضور نے ''محمد بن عبد اللہ کے الفاظ اپنے دست مبارک ہی سے لکھے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ صحیح صورت واقعہ یہ ہو کہ جب حضرت علی نے'' رسول اللہ ''کا لفظ مٹانے سے انکار کر دیا تو آپ نے اس کی جگہ ان سے پوچھ کر یہ لفظ اپنے ہاتھ سے مٹا دیا ہو اور پھر ان سے یا کسی

دوسرے کاتب سے ابن عبداللہ کے الفاظ لکھوادیے ہوں۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر صلح نامہ دو کاتب لکھ رہے تھے۔[30] ایک حضرت علی، دوسرے محمد بن بشار (فتح الباری، جلد ۵، ص۲۱۷) اس لیے یہ امر بعید نہیں ہے کہ جو کام ایک کاتب نے نہ کیا تھا، وہ دوسرے کاتب سے لے لیا گیا ہو۔ تاہم اگر واقعہ یہی ہو کہ حضور نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو، تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں، باقی کوئی چیز نہ پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔[31] دوسری روایت جس کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواندہ ہونے کا دعوی کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ "ثنا مُجَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنِي عَوْنُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: " مَا مَاتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَتَبَ وَقَرَأَ "[32] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پہلے لکھنا پڑھنا سیکھ چکے تھے) لیکن اول تو یہ سندا بہت ضعیف روایت ہے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: فضعیف لا اصل لہ۔ دوسرے اس کی کمزوری یوں بھی واضح ہے کہ اگر حضور نے فی الواقع بعد میں لکھنا پڑھنا سیکھا ہوتا تو یہ بات مشہور ہو جاتی، بہت سے صحابہ اس کو روایت کرتے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ حضور نے کسی شخص یا کن اشخاص سے تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن سوائے ایک عون بن عبداللہ کے، جن سے مجاہد نے یہ بات سنی، اور کوئی شخص اسے روایت نہیں کرتا۔ اور یہ عون بھی صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں، جنھوں نے قطعاً نہیں بتایا کہ انھیں کس صحابی یا کن صحابیوں سے اس واقعے کا علم حاصل ہوا۔ ظاہر ہے کہ ایسی کمزور روایتوں کی بنیاد پر کوئی ایسی بات قابل تسلیم نہیں ہو سکتی جو مشہور و معروف واقعات کی تردید کرتی ہو۔[33]

خلاصۂ بحث

اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا مودودی اپنی تفسیر میں بعض مقامات پر تحقیقِ روایات کے لے معیار درایت کو بناتے ہیں، حدیث کو قرآن پر پیش کر کے پرکھتے ہیں اور قرآن کے خلاف نظر آنے والی روایات پر خوب تنقید کرتے ہیں خواہ وہ بخاری و مسلم میں ہی کیوں نہ آئی ہوں۔ بعض مقامات پر ایسی ضعیف روایات جن کا متن قرآن سے متصادم نہ ہو کو قبول کرتے نظر آتے اور ان کے مقابل زیادہ صحیح سمجھی جانے والی روایات کو ترک کر دیتے ہیں۔ بعض مقامات پر مختلف مفسرین کے اقوال نقل کر کے ان پر عقلی و منطقی اعتراضات وارد کرتے ہیں۔ بعض مقامات پر اسرائیلی روایات پر تنقید کرتے ہوئے، انھیں اسلام میں اضافہ قرار دیتے ہیں۔ بعض مقامات پر ائمہ کے اقوال کا اختلاف اور احادیث ذکر کر کے ثابت کرتے ہیں کہ فلاں حکم قیاسی و اجتہادی ہے نہ کہ منصوص۔ بعض مقامات پر روایات کو اضطراب اور عدم شہرت کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں۔

References

[1] Al-Sāffāt 37: 89.

[2] Mawlānā Syed Abū al-Ālā Mawdūdī, Tafhīm al-Quran (Lahore: Idārā Tarjamān al-Quran, 2016), 4: 292.

[3] Mawdūdī, Tafhīm al-Quran, 4: 293.

[4]Al-Hajj 22: 1-2.

[5]Al-Ḥāqa 69: 13-14.

[6]Al-Zilzāl 99: 1-3.

[7]Al-Nāziāt 79: 6-9.

[8] Al-Waqia 56: 4-6.

[9]Mawdūdī, Tafhīm al-Quran, 3:200.

[10]Al-Hajj 22:52-54.
[11]Al-Najm 53: 19-20.
[12]Banī Isrāīl 17:73-75.
[13]Mawdūdī, Tafhīm al-Quran, 3:240.
[14]Mawdūdī, Tafhīm al-Quran, 3:241.
[15] Sād 38:26.
[16]Mawdūdī, Tafhīm al-Quran, 4:327.
[17]Samuel 2:11-12.
[18] Samuel 12:1-9.
[19]Mawdūdī, Tafhīm al-Quran, 4:328.
[20]Al-Nūr 24:59.
[21]Mawdūdī, Tafhīm al-Quran, 3:422.
[22]Mawdūdī, Tafhīm al-Quran, 3:423.
[23]Al-Ankabūt 29:50.
[24]Mawdūdī, Tafhīm al-Quran, 3:713.
[25] Muhammad Ibn Ismāīl al-Bukhārī, Al-Jāmi‘ al-Saḥiḥ (Al-Riādh: Dār al-Salām, 1419AH), 7:38,Hadīth no: 2698.
[26]Al-Bukhārī, Al-Jāmi‘ al-Saḥiḥ , 3:184,Hadīth no: 2699
[27]Al-Bukhārī, Al-Jāmi‘ al-Saḥiḥ, 8:225, ,Hadīth no: 3184.
[28]Al-Bukhārī, Al-Jāmi‘ al-Saḥiḥ, 10:311, ,Hadīth no: 4251.
[29] Imām Muslim, Saḥīh Muslim (Birūt: Dār Ihyā al-Turāth, nd), 3: 1409, Hadīth no: 1783.
[30]Mawdūdī, Tafhīm al-Quran, 3:714.
[31]Mawdūdī, Tafhīm al-Quran, 3:715.
[32] Al-Bahaqī, Al-Sunan(Birūt: Dār al-Kutub, 2003), 7:68, Hadīth no: 13290.
[33]Mawdūdī, Tafhīm al-Quran, 3:715.